ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.4 (2025)
(October to December)

تکثیریت کی فکری اساس اور اس کے سماجی و ادبی اطلاقات

The Intellectual Foundations of Pluralism and Its Social and Literary Applications

محمد شفیع اللہ
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر طارق جاوید
معلم، شعبہ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Muhammad Shafi Ullah
Ph. D Scholar, Department of Iqbal Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad
shafiurdu123@gmail.com
Dr. Tariq Javed
Department of Iqbal Studies ,Allama Iqbal Open University, Islamabad
tariq.benai@aiou.edu.pk

Abstract:
This research article examines the concept of pluralism by exploring its linguistic origins, terminological meanings, intellectual evolution, and practical dimensions. The paper clarifies that pluralism is not merely the tolerance of differing opinions, but a well-established intellectual and social principle that recognizes diversity in human thought, society, culture, and political systems. This study elaborates on the various types of social, cultural, political, and religious pluralism, while also presenting an assessment of both the positive and negative aspects of pluralistic attitudes. Mix methodology will be used during the study. Ultimately, the study concludes that when pluralism is embraced within principled boundaries, it can become a means of intellectual development as well as an essential prerequisite for peaceful coexistence, social order, and collective progress in the modern era.

Keywords: Pluralism, Diversity, Peaceful Coexistence, Social Development, principled boundaries, essential prerequisite, social order

عصرِ حاضر فکری، سماجی اور ادبی سطح پر ہمہ گیر اور تیز رفتار تغیرات کا عہد ہے، جس میں انسانی زندگی کے تمام شعبے گہرے فکری اور تہذیبی تغیرات سے گزر رہے ہیں۔ اس عہد میں جہاں فکری تنوع، ثقافتی اختلاف، تہذیبی تصادم اور نظریاتی تکثّر نمایاں صورت اختیار کر چکے ہیں، وہاں تکثیریت ایک مضبوط اور بنیادی فکری نظریے کے طور پر ابھری ہے۔ تکثیریت کا تصور انسان کو محض اختلاف کے ساتھ جینے کا سلیقہ ہی نہیں سکھاتا بلکہ اسے یہ شعور بھی عطا کرتا ہے کہ مختلف تہذیبوں، مذاہب، افکار، زبانوں اور ادبی رجحانات کے باہمی احترام کے بغیر ایک متوازن اور پُرامن سماج کی تشکیل ممکن نہیں۔ یہ نظریہ اس امر پر زور دیتا ہے کہ حقیقت کے

متعدد زاویے ہوتے ہیں اور کسی ایک فکر یا نظریے کو حقِ مطلق قرار دینا فکری جمود اور سماجی تصادم کا سبب بن سکتا ہے۔ اسی لیے تکثیریت انسان کو وسعتِ نظر، برداشت، مکالمے اور فکری آزادی کی راہیں دکھاتی ہے۔ موجودہ عالمی منظر نامے میں، جہاں گلوبلائزیشن نے دنیا کو ایک گاؤں میں تبدیل کر دیا ہے اور مختلف ثقافتیں ایک دوسرے سے براہِ راست مکالمے میں آچکی ہیں، تکثیریت کی اہمیت پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے۔ یہ نہ صرف عالمی امن اور سماجی ہم آہنگی کی بنیاد فراہم کرتی ہے بلکہ ادب کو بھی نئے موضوعات، متنوع اسالیب اور فکری جہات سے مالا مال کرتی ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ عالمی اور ادبی تناظر میں تکثیریت ایک ناگزیر، مؤثر اور تعمیری فکری رویے کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

تکثیریت کا مفہوم سمجھنے کے لیے سب سے پہلے اس کی لغوی بنیاد کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ لفظ "تکثیر" عربی زبان کے مصدر "کثر" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے "زیادہ کرنا"، "کثرت پیدا کرنا" یا "کثرت کو قبول کرنا یا بہتات وغیرہ۔(۱) اس کے مقابلے میں لفظ "وحدت" یکسانیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تکثیریت کے متبادل "کثرتیت" کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی ہے۔ کثرت کے لغوی معنی ہجوم، بہتات، ریل پیل، اژدھام کے ہیں۔(۲) کثرت اور اختلاف دو ایسے تصورات ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، کیونکہ جہاں کثرت ہو گی وہاں اختلاف کی صورت بھی موجود ہو گی۔ لیکن یہ اختلاف لازماً تنازع یا تضاد پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ اسے محض تنوع بھی کہا جا سکتا ہے۔ تکثیریت دراصل انگریزی اصطلاح Pluralism کا اردو ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر عمر فاروق لکھتے ہیں:

> "تکثیریت عَربی زبان کے لفظ "کثرت" سے ماخوذ ہے۔ تکثیر عربی زبان میں باب تَفعیل سے آتا ہے، "ی" نسبت کی ہے، اور "ت" مصدر بنانے کے لیے ہے، معنی ہے کثرت والا ہونا۔ انگریزی میں اسے Pluralism کہتے ہیں۔ اصطلاحی اعتبار سے مختلف لوگوں نے اس کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔"(۳)

انگریزی اصطلاح "Pluralism" لاطینی لفظ "Pluralis" سے نکلی ہے، جس کا مطلب ہے "More than one" یعنی "ایک سے زیادہ"(۴) تکثیریت کے نظریے پر یقین رکھنے والے کو "Pluralist" یعنی تکثیریت پسند کہا جاتا ہے۔(۵) ابتدائی طور پر یہ لفظ منطق اور فلسفہ میں استعمال ہوا جہاں کائنات کو ایک وحدانی نظام کے بجائے متعدد عناصر اور قوتوں پر مشتمل سمجھا گیا۔ بعد ازاں یہ لفظ معاشرتی اور مذہبی مباحث کا حصہ بنا۔ مغرب میں گزشتہ چند دہائیوں سے یہ اصطلاح زیادہ مقبولیت حاصل کر چکی ہے، حتیٰ کہ اس کا استعمال ادب، فلسفہ، قانون، سیاسیات، طب، تعلیم، سماجیات، دینیات وغیرہ کے شعبوں میں استعمال ہونے لگا ہے۔ اصطلاحی طور پر تکثیریت صرف کثرت یا تعدد کا نام نہیں بلکہ ایک فعال فکری و سماجی نظریہ ہے جو تنوع کو محض حقیقت کے طور پر تسلیم کرنے کے بجائے اسے قدر (Value) کے طور پر دیکھتا ہے۔ ہداد کے مطابق تکثیریت ایک لچکدار اصطلاح ہے، جسے مختلف متضاد حالات اور ایک پیچیدہ تصور کے حوالے سے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ کبھی ثقافتی اختلافات، کبھی سماجی تو کبھی سیاسی کثرت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔(6) سیاسیات و سماجیات کے شعبوں میں اس کے استعمال کے حوالے سے آکسفرڈ ڈکشنری نے لکھا ہے:

> "A condition or system inwhich two or more states, groups, principal etc. co-exists." (7)

آکسفرڈ ڈکشنری نے ایک اور مقام پر اس کی مزید وضاحت یوں کی ہے:

> "The existence of many different groups of people in one society, for example people of different races, or of different political or religious beliefs; the belief that is

possible and good for different groups of people to live together in peace in one society." (8)

اختلاف اور تنوع صرف برداشت کرنے کی چیز نہیں بلکہ انسانی معاشرے کے لیے ضروری عنصر ہے، کیونکہ یہی تنوع فکری ارتقاء، سماجی توازن، اور تہذیبی مکالمے کا باعث بنتا ہے۔ منزہ حیات لکھتی ہیں: "انسان کسی معاشرے میں زندگی بسر کرتا ہے اور معاشرہ مختلف رنگ، نسل، تہذیب وثقافت اور روایت کے حامل لوگوں کا مجموعہ ہوتا ہے اور یہ تنوع ہر معاشرے کو شناخت عطا کرتا ہے۔ اس تنوع کو رحمت سمجھ کے اس رنگارنگی کو قبول کرنا تکثیریت ہے۔" (۹) یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تکثیریت (Pluralism) اور رواداری (Tolerance) میں بنیادی فرق موجود ہے۔ رواداری کا مطلب ہے کسی مختلف نظریے یا عقیدے کو برداشت کرنا، خواہ دل میں اس کے لیے قبولیت نہ ہو۔ مگر تکثیریت کا تقاضا صرف برداشت نہیں بلکہ اس مختلف نقطۂ نظر کو ایک جائز اور معقول امکان کے طور پر تسلیم کرنا ہے۔ اسی طرح "تنوع" (Diversity) ایک سماجی حقیقت ہے جب کہ تکثیریت ایک رویہ اور نظریہ ہے جو اس حقیقت کو مثبت معنی دیتا ہے۔ تکثیریت تناؤ کو جامع مذاکرات، گفت وشنید اور باہمی احترام کے ذریعے حل کرنے کے لیے ایک فریم ورک پیش کرتی ہے۔ معروف تکثیریت پسند ڈیانالوئس ایک کے مطابق تکثیریت کی زبان صرف اختلافات کے ہونے تک محدود نہیں بل کہ شمولیت، مشغولیت اور شرکت کی زبان ہے، یہ تبادلہ خیال، مباحث اور مکالمے کی زبان ہے۔ (۱۰) سماجی حوالے سے تکثیریت کا مطلب ہے کہ ایک معاشرہ مختلف طبقات، ثقافتوں یا مذہبی گروہوں کے لیے مساوی مواقع فراہم کرے اور ان کی شناخت کو تسلیم کرے۔ یہ تصور جمہوری معاشروں کی بنیاد سمجھا جاتا ہے، کیونکہ بغیر تکثیری سوچ کے کوئی جمہوری نظام مستحکم نہیں ہو سکتا۔ ظفر دارک قاسمی نے لکھا ہے:

> "یہ دنیا مختلف و متنوع افکار، نظریات، ادیان اور رنگارنگ تہذیب و ثقافت کی حسین آماجگاہ ہے۔ جو سماج تنوع، تکثیریت کا علمبردار ہوتا ہے، وہیں اس سماج میں تحمل، برداشت، انسانی سماجی اقدار کی حفاظت، باہم ادیان کا احترام اور جذبہ خیر سگالی بھی پایا جاتا ہے، تو یقیناً روشن مستقبل کا ضامن کہلائے گا۔ لامحالہ سماج کے جملہ افراد اعلیٰ انسانی قدروں کے امین و محافظ ہوں گے تبھی جاکر معاشرہ میں خوش حالی آئے گی۔" (۱۱)

اس طرح لغوی واصطلاحی مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تکثیریت محض کثرت یا تعدد کا ہونا نہیں بلکہ اس کثرت کی تعبیری تشکیل کا نام ہے۔ یہ نہ صرف اختلاف کو قبول کرتی ہے بلکہ اسے انسانی تمدن اور فکری ارتقاء کے لیے بنیادی شرط شمار کرتی ہے۔ تکثیریت کا تصور ایک فطری انسانی رجحان کے طور پر آغاز ہی سے موجود رہا ہے۔ انسان جب شعور کی ابتدائی سطحوں سے بلند ہوا اور اجتماعی زندگی کی تشکیل کا مرحلہ طے کرنے لگا تو اسے اس حقیقت کا سامنا کرنا پڑا کہ دنیا میں خیالات، تجربات اور نقطۂ نظر کی کثرت موجود ہے۔ یہ کثرت بعض اوقات تضاد کی صورت میں ظاہر ہوئی اور بعض اوقات فکری ارتقاء کا ذریعہ بنی۔ تاریخ انسانی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہر دور میں انسان نے وحدت اور کثرت کے مابین توازن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

محمد ایس آئیدین نے لکھا ہے کہ تکثیریت عصرِ حاضر کا سکہ ہے مگر جن مسائل کی یہ نشاندہی کرتی ہے وہ اس قدر پرانے ہیں جتنا کہ انسان (۱۲) تکثیریت کے تاریخی پس منظر کا تعلق اس انسانی فہم سے بھی ہے جس میں انسان نے یہ جانا کہ ہر سوال کا ایک ہی جواب ممکن نہیں ہوتا۔ جیسے جیسے انسان نے مشاہدہ، تجربہ اور سوچ کے عمل میں ترقی کی، اسے معلوم ہوا کہ مختلف ذہن مختلف نتائج تک پہنچ سکتے ہیں، اور یہ فرق کسی خامی کا نہیں بلکہ انسانی طبیعت کا حصہ ہے۔ حقیقت کو سمجھنے کے کئی زاویے ہو سکتے ہیں، اور ہر زاویہ کچھ

نہ کچھ پہلو واضح کرتا ہے۔ اسی احساس نے یہ تصور پیدا کیا کہ اختلاف کو دبانے کے بجائے سمجھنے کی کوشش کی جائے، کیونکہ اختلاف ہی سے مکالمہ پیدا ہوتا ہے اور مکالمہ ہی سے علم آگے بڑھتا ہے۔ بعض اہلِ تحقیق کے مطابق یونانی فلسفی ارسطو (۳۵۰ قبل مسیح) کی تحریروں میں بھی ایسے خیالات ملتے ہیں جو تکثیریت کے اصولوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اسی طرح مزید کئی یونانی مفکرین کے کام میں بھی تنوع اور مختلف نظریات کو قبول کرنے کی سوچ نمایاں نظر آتی ہے۔ ان مفکرین نے انسانی معاشرے میں باہمی مقابلے اور برتری کے رویّوں کے بجائے ایک دوسرے کے اختلافات کو تسلیم کرتے ہوئے رواداری کے ساتھ رہنے کی ترغیب دی۔ قدیم یونانی مفکرین جیسے ڈیموکریٹس، ایپیکورس، ہیروڈوٹس اور زینوفون اس حوالے سے نمایاں مثالیں پیش کرتے ہیں۔ (۱۳)

تاریخِ اسلام تکثیری رویّے کی نہایت روشن مثالیں پیش کرتی ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ نہ صرف برداشت بلکہ عزت و احترام کے ساتھ پیش آنے کی عملی مثالیں قائم کیں۔ میثاقِ مدینہ، صلح حدیبیہ، حجۃ الوداع اور فتح مکہ جیسے واقعات اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ بعد ازاں مسلم حکومتوں میں بھی اس اصول کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ جیسے اسپین میں مسلمانوں کے پانچ صدیوں پر مشتمل دورِ حکومت میں اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے پیروکار باہمی ہم آہنگی کے ساتھ رہے۔ اسی طرح مصر کی فاطمی خلافت میں بھی ایک کثیر المذاہب معاشرہ موجود تھا جہاں غیر مسلموں کو بھی حکومتی عہدوں پر خدمات انجام دینے کے مواقع دستیاب تھے۔ (۱۴) تکثیریت (Pluralism) کی اصطلاح سب سے پہلے کرسچن وولف (۱۶۷۹-۱۷۵۴) نے مابعد الطبیعیاتی نظریات کی وضاحت کے لیے استعمال کی اور بعد ازاں امریکی فلسفی ولیم جیمز نے اسے شہرت دی۔ (۱۵)

انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا کے مطابق بیسویں صدی کے آغاز میں انگلستان میں تکثیریت کے تصور کو چند مصنفین مثلاً فریڈرک میٹ لینڈ، سیموئیل جی ہوبسن اور ہیرالڈ لاسکی نے نمایاں کیا۔ انھوں نے اس زمانے میں سرمایہ دارانہ نظام کی حد سے بڑھی ہوئی طاقت کے خلاف آواز بلند کی اور یہ مؤقف پیش کیا کہ فرد کو تنہا اور بے بس چھوڑنے کے بجائے ایسے معاشرتی ڈھانچے میں شامل کیا جانا چاہیے جو اسے برادری کا حصہ ہونے کا احساس دلائے۔ امریکی سکالر رابرٹ ڈہل اور ڈیوڈ بی ٹرومین نے بیسویں صدی میں ہی بعد ازاں اس کا دفاع کیا۔ (۱۶) علی شکوری کے نزدیک ۵۰ اور ۶۰ کی دہائیوں میں تکثیریت پسندوں کو اس وقت زیادہ قبولیت ملی جب انھوں نے خود کو اشرافیہ اور مارکسی مکاتبِ فکر سے الگ ہو کر لکھنا شروع کیا۔ (۱۷) وقت کے ساتھ یہ سوچ زیادہ واضح ہوتی گئی کہ اگر ایک نقطہ نظر کو حتمی سمجھ لیا جائے اور باقی تمام خیالات کو رد کر دیا جائے، تو اس سے نہ صرف فکری جمود پیدا ہو گا بلکہ انسانی معاشرہ بھی منقسم ہو گا۔ اسی بنا پر تکثیری سوچ نے یہ بنیادی اصول پیش کیا کہ سچائی تک رسائی کا راستہ ایک نہیں بلکہ کئی ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ ہر راستہ صحیح نہیں ہوتا، مگر ہر راستے کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے تاکہ حق کے قریب پہنچا جا سکے۔ اسی فکری ارتقاء نے جدید دور میں تکثیریت کو ایک باقاعدہ نظریہ بنا دیا۔ اب یہ محض نظری بحث نہیں رہی بلکہ ایک سماجی ضرورت کے طور پر سامنے آئی۔ آج جب مختلف نظریات، ثقافتیں اور طرزِ فکر ایک ہی معاشرے میں موجود ہیں تو تکثیری سوچ کے بغیر نہ اتحاد ممکن ہے نہ ترقی۔ یہ سوچ کہ ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے کا حق ہے، اسی حقیقت سے جڑی ہے کہ ہر انسان دنیا کو اپنے تجربے کے مطابق دیکھتا ہے۔ یوں تکثیریت کا تاریخی سفر یہ بتاتا ہے کہ انسان نے تنوع کو پہلے برداشت کی حد تک تسلیم کیا، پھر اسے ایک علمی امکان کے طور پر قبول کیا، اور بالآخر اسے ایک لازمی سماجی اصول کے طور پر اختیار کیا۔ تکثیریت یہ کہتی ہے کہ اتفاق ضروری نہیں، مگر اختلاف کو بھی دشمنی میں بدلنا درست نہیں۔ بلکہ اختلاف ہی سے وہ راستہ کھلتا ہے جو فہم، برداشت اور ترقی کی طرف جاتا ہے۔ تکثیریت ایک یک رخا تصور نہیں بلکہ یہ کئی جہات اور پہلوؤں پر مشتمل ایک جامع فکری

ڈھانچے کا نام ہے۔ اس کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ کسی بھی معاشرے، فکر یا انسانی تجربے میں تنوع کو تسلیم کیا جائے اور مختلف سطحوں پر رائے، نقطۂ نظر اور طرزِ فہم کے وجود کو جائز مانا جائے۔ چونکہ انسان مختلف معاشرتی، جغرافیائی، ذہنی اور تہذیبی پس منظر سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ان کے نظریات اور رویّے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ یہی فطری اختلاف جب شعوری طور پر قبول کر لیا جائے تو وہ تکثیریت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس تصور کے بہتر ادراک کے لیے لازم ہے کہ اس کی بنیادی اقسام اور جہات کو الگ الگ بیان کیا جائے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ تکثیریت صرف نظری گفتگو نہیں بلکہ عملی زندگی کے مختلف گوشوں میں کارفرما ایک اصول ہے۔

فکری تکثیریت سے مراد یہ ہے کہ انسانی عقل اور فکر کو وسعت دی جائے اور یہ تسلیم کیا جائے کہ کسی بھی مسئلے کے متعدد زاویے ہو سکتے ہیں۔ فکری سطح پر تکثیریت یہ تسلیم کرتی ہے کہ کسی موضوع پر صرف ایک رائے حتمی نہیں، بلکہ دیگر آرا کا بھی امکان موجود ہے۔ اس تصور کے مطابق مطلق جزمیت فکری جمود پیدا کرتی ہے جبکہ اختلافِ رائے ذہنی ارتقاء کی بنیاد ہے۔ یونیورسٹیوں، علمی مکالمات، فلاسفہ کی آرا اور فکری مباحث دراصل اسی تکثیری اصول کا اظہار ہیں، جہاں ہر نظریہ کو براہِ راست رد کرنے کے بجائے اس کا تجزیہ اور تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے۔۔بی۔بی۔ سی انگلش ڈکشنری نے لکھا ہے کہ تکثیریت مشترکہ نظام یا فلسفے میں پائے جانے والی مختلف آراء یا اصولوں کے پائے جانے کا نام ہے۔(۱۸) فکری تکثیریت یہ بھی سکھاتی ہے کہ نظریات کی کثرت علمی انتشار نہیں بلکہ فہم کے لیے زرخیز میدان ہے، جس میں ہر رائے اپنی جگہ ایک امکان کے طور پر موجود ہوتی ہے۔

سماجی تکثیریت کا تعلق معاشرتی سطح پر مختلف طبقات، گروہوں، ثقافتوں اور طرزِ حیات کو تسلیم کرنے سے ہے۔ کوئی معاشرہ اس وقت تک صحت مند نہیں کہلا سکتا جب تک وہ اپنے اندر موجود مختلف لسانی، ثقافتی یا معاشرتی گروہوں کو تسلیم نہ کرے۔ سماجی تکثیریت کا مقصد یہ نہیں کہ ہر رواج یا رسم کو درست سمجھا جائے، بلکہ یہ ہے کہ اختلافِ معاشرت کو تنازعہ میں تبدیل کرنے کے بجائے اسے بقائے باہمی کی بنیاد بنایا جائے۔ نوبل انعام یافتہ ماہر سیاسیات راجنی کتھاری نے لکھا ہے کہ تکثیریت پسندی نسل, رنگ، اور ذات پات کے امتیازات سے صرفِ نظر کر کے ہماری زندگی کو پر سکون اور پر امن بناتی ہے۔ یہ ہم آہنگی اور مساوات کی بات کرتی ہے۔(۱۹) یہی وجہ ہے کہ جدید ریاستوں میں مختلف تہوار، زبانیں، معاشرتی اقدار اور رہن سہن کے طریقے ساتھ ساتھ دیکھے جاتے ہیں۔ سماجی سطح پر تکثیریت اس اصول کو فروغ دیتی ہے کہ ہر فرد اپنی شناخت برقرار رکھتے ہوئے بھی اجتماعی نظم کا حصہ بن سکتا ہے۔ سماجیات کے تصورات میں ثقافت کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ ای۔بی ٹائلر کے مطابق: "تہذیب یا ثقافت ایک ایسی سالمیت کو کہا جا سکتا ہے، جس میں ہر قسم کے علوم و فنون، عقائد، رسوم و رواج، قوانین اور دوسری تمام ایسی صلاحیتیں شامل ہیں جو کہ کوئی فرد ایک سماج کے رکن کی حیثیت سے حاصل کرتا ہے۔ "(۲۰) ثقافتی تکثیریت سماجی تکثیریت کا ہی ایک پہلو ہے، مگر اس کا دائرہ زیادہ گہرا اور تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ کولن ڈکشنری نے اس کی وضاحت یوں کی ہے:

> "A condition in which minority groups participate fully in the dominant society, yet maintain thier cultural differences." (21)

گویا ثقافتی تکثیریت اس بات کا اعتراف کرتی ہے کہ فنونِ لطیفہ، زبانیں، رسوم، ادبی روایتیں اور تہذیبی اظہار ایک سے زیادہ صورتوں میں موجود رہ سکتے ہیں۔ ایک ہی معاشرہ مختلف رنگوں، پوشاکوں، فنون اور ادبی ذوق کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکتا ہے۔ ثقافتی تکثیریت کا بنیادی فائدہ یہ ہے کہ یہ یکسانیت کے جبر کو ختم کرتی ہے اور معاشرے کو ایک رنگ کے بجائے کئی رنگوں کی تصویر بناتی ہے۔ ایسے ماحول میں انسان دوسروں کی ثقافت کو خطرہ نہیں سمجھتا بلکہ اسے فہم اور تجربے کا ایک نیا موقع سمجھتا ہے۔

سیاسی تکثیریت کا مفہوم یہ ہے کہ ریاست یا سماج میں مختلف سیاسی خیالات، جماعتوں اور پالیسیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی آزادی حاصل ہو۔ اس اصول کے تحت اقتدار صرف ایک سیاسی سوچ تک محدود نہیں رہتا بلکہ مختلف نظریات کو سیاسی عمل میں اظہار کا حق دیا جاتا ہے۔ سیاسی تکثیریت کے تحت ریاست یا حکومت کا نظم و نسق کسی ایک طبقے یا گروہ کے ہاتھوں میں محدود نہیں ہوتا، بلکہ مختلف نظریات، نسلوں اور مفادات رکھنے والے تمام طبقات کو قانون سازی اور سیاسی عمل میں مساوی طور پر حصہ لینے کا موقع دیا جاتا ہے۔ بیسویں صدی کے وسط کے بعد امریکی مفکرین جیسے رابرٹ ڈہل، ڈیوڈ بی ٹرومین اور گبرئیل المونڈ نے اس تصور کی حمایت کی۔ ان کے نزدیک تکثیریت ایک ایسا جمہوری طرزِ حکومت ہے جس میں مختلف گروہ ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے طاقت کے توازن کو برقرار رکھتے ہیں۔ ان کا نقطہ نظر زیادہ تر عملی اور تجرباتی نوعیت کا تھا، نہ کہ صرف فلسفیانہ۔(۲۲) قانونی تکثیریت اس تصور سے جڑی ہے کہ کسی معاشرے میں قانون کی تعبیر اور نفاذ کے متعدد ذرائع ہو سکتے ہیں، جیسے رسم و رواج، مقامی قوانین یا مذہبی قوانین۔ یہ قانونی تنوع اور اختلاف کو طبعی امر سمجھتی ہیں اور زور دیتی ہیں کہ آئینی و قانونی نظام میں تنوع کو جگہ دی جائے تاکہ معاشرہ کسی ایک مخصوص طبقے کے غلبے کا شکار نہ ہو۔

مذہبی تکثیریت سے مراد یہ تصور ہے کہ دنیا میں موجود مختلف مذاہب اپنی اپنی جگہ سچائی اور نجات کی راہیں فراہم کرتے ہیں، اور کسی ایک مذہب کو حق کا واحد معیار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ نظریہ اس بنیاد پر قائم ہے کہ انسانی فہم محدود ہے جبکہ الٰہی حقیقت وسیع تر اور متنوع پہلو رکھتی ہے، اس لیے مختلف مذاہب اسی حقیقت کے مختلف زاویوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مذہبی تکثیریت نہ صرف عقائد اور عبادات کے اختلاف کو تسلیم کرتی ہے بلکہ اس تنوع کو انسانی سماج کی فکری و روحانی دولت سمجھتی ہے۔ مذہبی تکثیریت کے حوالے سے جاہن ہک (John Hick) اہم نام ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ حقیقت تک پہنچنے کا راستہ کوئی واحد مذہب نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایک طرزِ حیات نجات کا باعث بن سکتا ہے۔(۲۳)

مذہبی تکثیریت پسندوں کا یہ ماننا ہے کہ یہ نقطۂ نظر مذہبی دنیا کو کشمکش اور مناقشے کے بجائے مکالمے، رواداری، احترام اور تعاون کی طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ پُرامن بقائے باہمی، سماجی ہم آہنگی اور عالمی سطح پر بین المذاہب تفاہم فروغ پا سکے۔ تاہم، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مذہبی تکثیریت کے اس پہلو پر کہ "تمام مذاہب نجات کا ذریعہ ہیں" پر اعتراضات ہوتے رہتے ہیں۔ اسلام میں دوسرے مذاہب کے وجود کو تسلیم کرنے اور ان کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری، صبر و تحمل اور پرامن بقائے باہمی کی ہدایت دی گئی ہے۔ تاہم اسلام یہ نہیں کہتا کہ تمام مذاہب یکساں طور پر درست یا حق ہیں۔ جس طرح ثقافتی، سیاسی، نسلی اور لسانی تکثیریت میں مختلف نظریات اور نقطہ ہائے نظر کو برداشت اور احترام کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے، ویسے ہی اسلام بھی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور احترام کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ محمد ہاشم کے مطابق، اسلام دیگر توحید پرست مذاہب کو معاشرے میں جائز حیثیت دیتا ہے، لیکن انہیں سچا مذہب تسلیم نہیں کرتا، البتہ ان کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کی تعلیم ضرور دیتا ہے۔ اگر مذہبی تکثیریت سے مراد یہ لی جائے کہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو معاشرے میں جینے اور اپنے عقائد پر عمل کرنے کا حق حاصل ہو، تو اس معنی میں اسلام مذہبی تکثیریت کا قائل ہے۔ درحقیقت، انسانی حقوق اور سماجی و ثقافتی پہلوؤں کے اعتبار سے تاریخ کی کوئی بھی تہذیب اسلام جتنا پُرعزم رویہ تکثیریت کے حوالے سے پیش نہیں کر سکی، کیونکہ قرآن، میثاقِ مدینہ اور نبی اکرم ﷺ کی عملی زندگی سب اس اصول کی واضح مثالیں ہیں۔(۲۴) تکثیریت کا مفہوم محض اختلافِ رائے کو برداشت کرنا نہیں، بلکہ اسے ایک تعمیری قوت کے طور پر قبول کرنا ہے۔ جب کسی معاشرے یا فکری نظام میں تکثیری نظریہ فروغ پاتا ہے، تو اس کے نتائج صرف

نظری سطح تک محدود نہیں رہتے بلکہ عملی زندگی میں بھی کئی مثبت پہلو ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ تکثیری سوچ اجتماعی مکالمے، سماجی ہم آہنگی اور فکری پختگی کا ذریعہ بنتی ہے۔ ذیل میں اس کے چند اہم فوائد کا تجزیہ کیا جاتا ہے:

۱۔ تکثیریت کی پہلی اور بنیادی اہمیت یہ ہے کہ یہ انسانی فکر کو جمود کا شکار ہونے سے بچاتی ہے۔ جب کوئی فرد یا معاشرہ ایک ہی نقطۂ نظر کو مطلق حق سمجھ کر باقی تمام آرا کو رد کر دیتا ہے تو اس کے ذہنی دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس، تکثیریت فرد کو یہ سکھاتی ہے کہ ہر نظریے کے پیچھے ایک مخصوص تجربہ، مشاہدہ اور تاریخی پس منظر ہوتا ہے۔ اس طرح انسان دوسروں کی بات سننا اور سمجھنا سیکھتا ہے، اور اسی رویے سے ذہنی ارتقاء کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

۲۔ سماجی سطح پر تکثیریت معاشروں کو انتشار کے بجائے اتحاد کی جانب مائل کرتی ہے۔ اگر معاشرے میں یہ اصول راسخ ہو جائے کہ ہر فرد کو اپنی شناخت اور رائے کا حق حاصل ہے، تو تنازعات کم ہوتے ہیں اور احترام کے دروازے کھلتے ہیں۔ سماجی ہم آہنگی اسی وقت ممکن ہے جب لوگ ایک دوسرے کے اختلاف کو خطرہ نہیں سمجھتے بلکہ اسے حقیقت کا حصہ تسلیم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تکثیری معاشرے عموماً زیادہ مستحکم نظر آتے ہیں، کیونکہ ان کی بنیاد جبر نہیں بلکہ احترام اور مکالمے پر ہوتی ہے۔

۳۔ تکثیریت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ مکالمے (Dialogue) کو فروغ دیتی ہے۔ سینسن نے لکھا ہے کہ یہ ایک مسلسل مکالمے کی وکالت کرتی ہے، جس میں اتفاق اور اختلاف دونوں کی گنجائش ہوتی ہے (۲۵) مکالمہ صرف الفاظ کا تبادلہ نہیں، بلکہ علم اور بصیرت کا سفر ہے۔ جب مختلف نقطہ ہائے نظر ایک دوسری سے ٹکراتے نہیں بلکہ مکالمہ کرتے ہیں، تو وہاں حقیقت کے قریب پہنچنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ علم کی تاریخ گواہ ہے کہ نظریات کا تصادم نہیں، مکالمہ ہی حقیقی ترقی کا راستہ ہے۔ تکثیری سوچ اسی مکالماتی روایت کو ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے۔

۴۔ معاشرے میں تنازعات کی ایک بڑی وجہ عدم برداشت اور واحد نقطۂ نظر پر اصرار ہوتی ہے۔ تکثیری رویہ یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ ہر مسئلے کا حل صرف ایک ہی زاویے سے ممکن نہیں۔ جب ہم دوسرے کے اختلاف کو جائز سمجھتے ہیں، تو مصالحانہ حل اور مفاہمت کے راستے کھلتے ہیں۔ اسی طرح تکثیری معاشرے میں نااتفاقی دشمنی میں تبدیل نہیں ہوتی بلکہ سمجھوتے یا مکالمے کے ذریعے کسی درمیانی راستے تک پہنچتی ہے۔

۵۔ جدید دنیا میں جہاں مختلف طبقات، ثقافتیں اور نظریات ایک ہی جغرافیہ میں رہتے ہیں، وہاں تکثیریت ایک ناگزیر اصول بن چکی ہے۔ تکثیری مزاج کے بغیر مشترکہ سماجی نظم قائم نہیں رہ سکتا۔ پرامن بقائے باہمی (Coexistence) اسی وقت ممکن ہے جب ہر فرد یا گروہ اس حقیقت کو قبول کرے کہ وہ واحد سچائی کا حامل نہیں، بلکہ دوسرے بھی حق کے کسی نہ کسی پہلو سے واقف ہو سکتے ہیں۔

۶۔ تکثیریت فرد کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ اپنے تجربے، سوچ اور احساسات کو آزادانہ طور پر ظاہر کر سکے۔ اگر معاشرہ صرف ایک سوچ یا نظریے کو قبول کرے تو افراد اندرونی گھٹن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تکثیری ماحول میں خود اظہار (Self Expression) کو قبول کیا جاتا ہے، جو انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تکثیری معاشرے ادب، فنون، تحقیق اور فلسفہ جیسے میدانوں میں زیادہ زرخیز ثابت ہوتے ہیں۔ یہ وہ مثبت پہلو ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ تکثیریت محض ایک نظریہ نہیں بلکہ انسانی معاشرت اور فکر کے لیے ایک عملی ضرورت ہے۔ تاہم اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی حدود کو بھی سمجھا جائے، تاکہ تکثیریت حد اعتدال میں رہے اور انارکی یا لایعنیت میں تبدیل نہ ہو۔ اگرچہ تکثیریت کو ایک مثبت اور تعمیری نظریہ سمجھا جاتا ہے، تاہم اس کے مخالفین اور ناقدین بھی موجود ہیں جو اس پر مختلف فکری، اخلاقی اور سماجی بنیادوں پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ اعتراضات اس لیے اہم ہیں کہ وہ تکثیری نظریہ کو

چیلنج کرتے ہیں اور اسے مزید واضح یا محدود کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ تکثیریت کی تنقید کو سمجھے بغیر اس کے توازن اور حدود کا تعین ممکن نہیں ہوتا۔ ذیل میں تکثیریت پر چند اہم اعتراضات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:۔

۱۔ تکثیریت کے خلاف سب سے بنیادی اعتراض یہ ہے کہ اگر ہر رائے اور ہر نقطۂ نظر کو درست یا معتبر سمجھا جائے، تو پھر حق اور باطل، درست اور غلط، عدل اور ظلم کے درمیان حد فاصل کیسے قائم رہے گی؟ ناقدین کے مطابق تکثیریت بعض اوقات سچائی کو بھی ایک نسبتی چیز بنا دیتی ہے، جس سے اصولی قدریں کمزور پڑ سکتی ہیں۔ اس تنقید کے مطابق اگر تمام نقطہ ہائے نظر کو یکساں طور پر قبول کر لیا جائے، تو یہ فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے کہ کون سا موقف حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔ بیری اسی جانب اشارہ کرتے ہیں: " تکثیریت ایک نازک نوعیت کی وقوع پذیری ہے، جس کا حصول مشکل ہے، یہ صرف غیر معمولی حالات میں لاگو کی جا سکتی ہے، اور اس کے لیے باہمی رواداری اور ہمدردی کی بلند ترین سطح درکار ہوتی ہے۔ "(۲۶)

۲۔ ناقدین کا خیال ہے کہ تکثیریت اخلاقی نسبیت (Moral Relativism) کو فروغ دیتی ہے، جس میں یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ کوئی حتمی اخلاقی معیار نہیں، اور ہر اخلاق اپنی جگہ درست ہے۔ اس نقطہ نظر کے نتیجے میں ظاہری طور پر ہر رویہ قابلِ قبول بن سکتا ہے، چاہے وہ ظلم یا ناانصافی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ تنقید سوال اٹھاتی ہے کہ کیا ہر فکر یا عمل صرف اس لیے جائز ہے کہ وہ کسی مخصوص گروہ یا فرد کے نزدیک قابل قبول ہے؟

۳۔ اگر معاشرہ مکمل تکثیریت کو اختیار کر لے، تو کیا یہ ممکن ہے کہ اجتماعی نظم کمزور ہو جائے؟ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ متنوع خیالات کو حد سے زیادہ آزادی دینے سے نظم و ضبط اور اجتماعی یکجہتی متاثر ہو سکتی ہے۔ ان کے مطابق، اگر ہر اختلاف کو ایک ممکنہ سچائی سمجھا جائے، تو مشترکہ اقدار کمزور ہوں گی، نتیجتاً معاشرہ انتشار، فکری خلفشار یا بے سمتی کا شکار ہو سکتا ہے۔

۴۔ تکثیریت پر ایک عملی اعتراض یہ ہے کہ یہ فیصلہ سازی کو مشکل بنا دیتی ہے۔ اگر ہر رائے کو احترام کے ساتھ تسلیم کرنا ضروری ہو تو کسی مشترکہ پالیسی یا فیصلے تک پہنچنا پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ ایک ریاست، ادارہ یا معاشرہ اس وقت تک موثر فیصلے نہیں کر سکتا جب تک کوئی بنیادی نظریاتی یا اخلاقی مرکز باقی نہ ہو۔ لہٰذا یہ اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ تکثیری رویہ تضاد کو حل کرنے کے بجائے اسے طول دیتا ہے۔

۵۔ تکثیریت پر تنقید ہوتی ہے کہ یہ اپنی ساخت میں ابہام رکھتی ہے:

کیا تکثیریت ہر خیال اور ہر موقف کو قبول کرتی ہے؟

یا صرف ان خیالات کو جو امن اور برداشت کے اصول پر قائم ہیں؟

اگر دوسرا معیار درست ہے تو پھر بھی کسی نہ کسی حد تک تشخیص ضروری ہے، جس کا مطلب ہے کہ تکثیریت مطلق نہیں بلکہ مشروط ہے اور یہی اسے خود اپنے تصور سے متصادم بنا دیتی ہے۔

۶۔ سماجی تجزیہ نگار بعض اوقات تکثیریت کو طاقتور طبقات کی حکمت عملی قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق تکثیریت کے نام پر بعض طاقتور گروہ اپنے نظریات کو "رواداری" کے قالب میں مستقل جگہ دلانا چاہتے ہیں، تاکہ ان کے مقابلے میں مضبوط یا اصولی فکر کمزور ہو جائے۔ یہ تنقید سیاسی سطح پر یہ سوال بھی اٹھاتی ہے کہ تکثیریت کے نام پر کہیں طاقت کی سیاست تو نہیں کی جا رہی؟

۷۔ مذہبی تکثیریت کا یہ پہلو کہ " تمام مذاہب برحق ہیں" بڑے مذاہب مثلاً اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے پیروکاروں کی کثیر تعداد کے ہاں قابلِ قبول نہیں۔ سید جواد نے مذہبی تکثیریت کو یوں رد کیا ہے:

"دینی کثرتیت کا نظریہ ایک ناقابل قبول نظریہ ہے۔ اس نظریے کا پس منظر عہد وسطی میں کلیسا کے مظالم، دہشت گردی اور غیر انسانی رویہ ہیں۔ یہ نظریہ دین کی حقانیت کو ذاتی ایمان اور احساس میں منحصر سمجھتا ہے اور ان بنیادی عقائد، اخلاق، عبادات، رسوم اور اخلاقی و شرعی احکام کو نظر انداز کرتا ہے، جو دین کا جزو لازم قرار پاتے ہیں۔ یہ دین کو بگاڑ کر پیش کرتا ہے اور خود یہ "نظریہ ارتباتیت" اور "اضافیت" پر ختم ہوتا ہے۔ لہذا ہر مسلمان کو اپنے معاشرے میں اس طرح کے نظریات کی پرچار کو لمحہ فکریہ سمجھنا چاہیے اور ان کا علمی جواب آمادہ رکھنا چاہیے۔"(۲۷)

ان تمام اعتراضات کے باوجود یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ تکثیریت کو مسترد کرنے کے بجائے اس کی حدود اور اصول طے کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اگر تکثیریت کو بغیر اصول کے اپنایا جائے تو یہ لاعلمی اور انارکی کا باعث بن سکتی ہے، لیکن اگر اسے توازن کے ساتھ اپنایا جائے تو یہ فہم و بصیرت اور اجتماعی احترام کے دروازے کھول سکتی ہے۔ اس مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ تکثیریت محض اختلافِ رائے کی برداشت نہیں بلکہ ایک ایسا منظم فکری اور سماجی رویہ ہے جو تنوع کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور علمی، اخلاقی اور عملی میدانوں میں اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لغوی، تاریخی اور نظریاتی جائزے سے معلوم ہوا کہ تکثیریت کا وجود انسانی سماج میں کسی نا کسی شکل میں موجود رہا ہے۔ تاہم تکثیریت کا ادراک وقت کے ساتھ بدلتا رہا ہے: ابتدا میں یہ اختلاف کے وجود کی نشاندہی تک محدود رہی، بعد ازاں اس نے فکری مکالمے، سماجی ہم آہنگی اور جمہوری عمل میں مرکزی مقام حاصل کر لیا، اور مزید یہ کہ تکثیریت کو ایک باقاعدہ نظریے کی شکل میں بیسویں صدی میں قبول کیا گیا۔

تحقیقی بحث میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ تکثیریت کی کئی اقسام ہیں۔ فکری، سماجی، ثقافتی، سیاسی و قانونی اور مذہبی وغیرہ، اور ہر یک کا اپنا مخصوص کردار ہے۔ فکری تکثیریت علمی جمود کا تدارک کرتی ہے، سماجی و ثقافتی تکثیریت اجتماعی شناختوں کو محفوظ رکھتی ہے، جب کہ سیاسی و قانونی تکثیریت فیصلہ سازی میں شراکت اور انصاف کے تقاضوں کو تقویت دیتی ہے۔ اسی کے ساتھ تکثیریت کے مثبت پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی: ذہنی وسعت، مکالمے کا فروغ، تنازعات کے پرامن حل اور فردی اظہار کی حفاظت۔ مگر یہ بھی ثابت ہوا کہ تکثیریت بلا ضابطہ قبول کی جائے تو اس کے نتائج مخلوط ہو سکتے ہیں۔ اہم اعتراضات میں سچائی اور باطل کے امتیاز کا مسئلہ، اخلاقی نسبیت، سماجی انتشار، فیصلہ سازی میں رکاوٹیں اور طاقتور طبقات کی جانب سے تکثیریت کے سیاسی استعمال کے خدشات شامل ہیں۔

تکثیریت ایک قابلِ قدر فکری وسیلہ ہے بشرطیکہ اسے اصولی، متوازن اور حقوقِ انسانی کے احترام کے ساتھ اپنایا جائے تب ہی یہ معاشرتی ہم آہنگی، علمی ترقی اور پرامن بقائے باہمی کا حقیقی ذریعہ بن سکتی ہے۔ تکثیریت عصرِ حاضر کی فکری، سماجی اور ادبی تشکیل میں ایک بنیادی اور ناگزیر نظریے کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ یہ نظریہ انسان کو وسعتِ نظر، برداشت، رواداری اور مکالمے کی اقدار سے روشناس کراتا ہے اور اسے یہ شعور دیتا ہے کہ اختلاف کو تصادم کے بجائے تنوع کے حسن کے طور پر قبول کیا جائے۔ سماجی سطح پر تکثیریت نے جمہوری رویّوں، انسانی حقوق اور باہمی احترام کو فروغ دیا ہے، جب کہ ادبی سطح پر اس نے تخلیقی آزادی، فکری تنوع اور متنوع سماجی صداقتوں کو نئی معنوی جہتیں عطا کی ہیں۔ موجودہ عہد میں جہاں فکری جمود، انتہا پسندی اور تہذیبی تصادم کے خطرات بڑھتے جا رہے ہیں، وہاں تکثیریت ایک تعمیری اور مثبت فکری متبادل کے طور پر سامنے آتی ہے۔ یوں یہ کہنا بجا ہے کہ تکثیریت نہ صرف موجودہ دور کی ایک اہم فکری ضرورت ہے بلکہ مستقبل کے پُرامن، مہذب اور باوقار انسانی معاشرے کی فکری ضمانت بھی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ لوئیس معلوف (مرتبہ)، المنجد عربی اردو لغت، (مترجمہ)، عبد الحفیظ بلیاوی، لاہور، مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۹ء، ص:۷۹۳

۲۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، مدیر اعلیٰ، اُردو لغت تاریخی اصول پر، جلد چہارد ہم، کراچی: اُردو لغت بورڈ، ۱۹۹۲ء، ص:۱۰۷

۳۔ عمر فاروق، ڈاکٹر، مولانا آزاد کا نظریہ اور ہندوستانی تکثیریت
https://urdu.millattimes.com/archives/92960 (accessed on 10 Sep.2025)

4. Klein E. "A Comprehensive Etymological Dictionary of The English Language",(London:Elsevier Publishing Company,1966), p:1203

5. Editorial Board, Webster Comprehensive Dictionary International Edition, Vol.2(Chicago: J.G Fergoson Publishing House,1974),p:972

6. Haddad, Yvonne Yazbech, Islamists and the Challenge of Pluralism, (Washington: Georgetown University, 1995, p:19

7. Angus Stevenson, (ed) Concise Oxford Dictionary, New York: Oxford University Press, 2011), p:110

8. Hornby A.S, Oxford Advanced Leaner's Dictionary of Current English, (Oxford: Oxford university Press, 2010), p:1165

۹۔ منزہ حیات، جلال الدین کے عہد میں مذہبی تکثیریت، مشمولہ "فکر و نظر اسلام آباد"، شمارہ نمبر ۴، ص:۲۴۵

10. Diana L. Eck, A New Religious America, (New Harper Collins e-books), p. 69

۱۱۔ ظفر دارک قاسمی، ڈاکٹر، ہندوستان، تکثیری سماج اور مسلمان، لاہور، ادارہ فکرِ اسلامی، ۲۰۲۵ء، ص:۱۳۰

12. Rachel Redeejik, "Roots ans Routs", (Newyork: Amsterdam, 2010), p:72

13.Dirk Berg-Schlosser, Bertrand Badie, Leonardo Morlino, (ed)," The Sage Handbook of Political Science" Vol. 2, (London: Sage Publications,2020), p:567

14.Muhammad Ali Mosfor," Pluralismin in Islam", in, "Dawn News Paper", Jan 20,2012, https://www.dawn.com/news/689434/pluralismin-islam(accessed on 4 August 2025,)

15. Legenhausen Hajj," A Muslim's Proposal: Non-Reductive Religious Pluralism"
https://www.uibk.ac.at/theol/leseraum/texte/626.html(accessed on 28 Sep. 2025)

16. https://www.britannica.com/topic/pluralism-politics(accessed on 28 Sep. 2025)

17. Ali Shakoori, Pluralism; An Old but New Phenomenon in Socio-Political Processes", in," International Journal of Social Sciences (IJSS)" Vol.4, No.4, 2014, p:23

18. John Sinclair, English Dictionary, (London: Harper Collins Publishers, 1992), p:881

19. Samartha, S.J “One Christ-Many Religions: Towards a Revised Christology” , (Bangalore :South Asia Theological Research Institute, 1992, p: 99

20. Edward B. Tylor. “Primitive Culture”, (London: John Murray Albert Street,1920), p:1 21. https://www.collinsdictionary.com/dictionary/english/cultural-pluralism, accessed on 28 Sep. 2025

22.Carla Yumatle, “Pluralism”, in, T Michael, T. Gibbons, (eds) “The Encyclopedia of Political Thought”, First Edition, John Wiley & Sons, Ltd,201), p:8

23. John Hick, “Dailogue in the Philosophy of Relegion”, (New York: Palgrave Macmillan, 2010),p:191

24. Mohammad Hashim Kamali, “Diversity and Pluralism: A Qur'anic Perspective” in” Islam and Civilisational Renewal Journal”, Vol. 1, 2009, p:34-35

25. Iain T. Benson,The Search for Pluralism in Islam, Roman Catholic and Judaism in “Cole Durham & Donluthayer(eds),” Religion, Pluralism and Reconciling Difference” ,London: Routledge,2019, p:49

26. Brewton Berry, “Race Relations: The Interaction of Ethnic and Racial Groups”, (New York: Houghton Mifflin Company, , 1951), p: 332

۲۷۔ سید علی جواد ہمدانی، دینی کثرتیت ایک تنقیدی جائزہ ، مشمولہ، سہ ماہی علمی و تحقیقی مجلہ "نور معرفت "شمارہ ۲، ۲۰۲۵ء، ص: ۵۴

References in Roman Script:

1. Louis Ma‘loof (Murattib), Al-Munjid ‘Arabi–Urdu Lughat, (Mutarjim) Abdul Hafeez Baliawi, Lahore: Maktaba Qadoosia, 2009, p: 793
2. Farman Fatah Puri, Dr., Mudīr-e-A‘la, Urdu Lughat Tareekhi Usool Par, Jild Chahardahum, Karachi: Urdu Lughat Board, 1992, p: 710
3. Umar Farooq, Dr., Maulana Azad ka Nazriya aur Hindustani Takaseeriyat https://urdu.millattimes.com/archives/92960 (accessed on 10 Sep. 2025)
4. Klein E. “A Comprehensive Etymological Dictionary of The English Language”, (London: Elsevier Publishing Company, 1966), p: 1203
5. Editorial Board, Webster Comprehensive Dictionary International Edition, Vol. 2 (Chicago: J.G. Fergoson Publishing House, 1974), p: 972
6. Haddad, Yvonne Yazbech, Islamists and the Challenge of Pluralism, (Washington: Georgetown University, 1995), p: 19
7. Angus Stevenson (ed.), Concise Oxford Dictionary, New York: Oxford University Press, 2011, p: 110

8. Hornby A.S., Oxford Advanced Learner's Dictionary of Current English, (Oxford: Oxford University Press, 2010), p: 1165
9. Manza Hayat, Jalal-ud-Din ke 'Ahd Mein Mazhabi Takaseeriyat, Mashmola "Fikr-o-Nazar", Islamabad, Shumara No. 4, p: 245
10. Diana L. Eck, A New Religious America, (New Harper Collins e-books), p. 69
11. Zafar Darak Qasmi, Dr., Hindustan, Takaseeri Samaj aur Musalman, Lahore: Idara Fikr-e-Islami, 2025, p: 130
12. Rachel Redeejik, "Roots and Routs", (New York: Amsterdam, 2010), p: 72
13. Dirk Berg-Schlosser, Bertrand Badie, Leonardo Morlino (eds.), The Sage Handbook of Political Science, Vol. 2, (London: Sage Publications, 2020), p: 567
14. Muhammad Ali Mosfor, "Pluralism in Islam", in Dawn News Paper, Jan 20, 2012, https://www.dawn.com/news/689434/pluralismin-islam (accessed on 4 August 2025)
15. Legenhausen Hajj, "A Muslim's Proposal: Non-Reductive Religious Pluralism" https://www.uibk.ac.at/theol/leseraum/texte/626.html (accessed on 28 Sep. 2025)
16. https://www.britannica.com/topic/pluralism-politics (accessed on 28 Sep. 2025)
17. Ali Shakoori, "Pluralism; An Old but New Phenomenon in Socio-Political Processes", in International Journal of Social Sciences (IJSS), Vol. 4, No. 4, 2014, p: 23
18. John Sinclair, English Dictionary, (London: Harper Collins Publishers, 1992), p: 881
19. Samartha, S.J., One Christ–Many Religions: Towards a Revised Christology, (Bangalore: South Asia Theological Research Institute, 1992), p: 99
20. Edward B. Tylor, Primitive Culture, (London: John Murray, Albert Street, 1920), p: 1
21. https://www.collinsdictionary.com/dictionary/english/cultural-pluralism (accessed on 28 Sep. 2025)
22. Carla Yumatle, "Pluralism", in T. Michael, T. Gibbons (eds.), The Encyclopedia of Political Thought, First Edition, John Wiley & Sons, Ltd., 201, p: 8
23. John Hick, "Dialogue in the Philosophy of Religion", (New York: Palgrave Macmillan, 2010), p: 191
24. Mohammad Hashim Kamali, "Diversity and Pluralism: A Qur'anic Perspective", in Islam and Civilisational Renewal Journal, Vol. 1, 2009, pp: 34–35
25. Iain T. Benson, The Search for Pluralism in Islam, Roman Catholic and Judaism, in Cole Durham & Donluthayer (eds.), Religion, Pluralism and Reconciling Difference, London: Routledge, 2019, p: 49

26. Brewton Berry, Race Relations: The Interaction of Ethnic and Racial Groups, (New York: Houghton Mifflin Company, 1951), p: 332
27. Syed Ali Jawad Hamdani, Deeni Kasratyat: Aik Tanqeedi Ja'izah, Mashmola: Sih-maahi 'Ilmi-o-Tahqiqi Majalla "Noor-e-Ma 'rifat", Shumara 2, 2025, p: 54